

# حُجَّتِ حَدِيثِ

از: عبد الحمید صدیقی

قرآن مجید اگر شریعتِ اسلامی کی رُوح ہے تو حدیث اس کا جسم۔ حدیث ہی سے انفرادی اور اجتماعی زندگی کا وہ نقشہ ابھر کر سامنے آتا ہے جس کا اسلام علمبردار ہے۔ اگر قرآن مجید کے ساتھ حدیث محفوظ نہ ہوتی تو ہمارے لیے نشانِ ربانی کے عملی مضمرات جاننا بالکل ناممکن تھا۔

باری تعالیٰ اپنے پیغام کو انسانوں تک پہنچانے کے لیے انبیاءِ علیہم السلام کو جو ذریعہ بنا تا ہے اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ ان مقدس حضرات کی مقدس زندگیوں میں پیغامِ ربانی کا عکس اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں اور اس حقیقت کو جان سکیں کہ نشانے الہی کو پورا کرنے کی عملی صورت کیا ہے۔

هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَ  
دِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ - (التوبہ: ۳۳)

اللہ ہی ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اُسے پورے کائنات پر غالب کر دے۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہدایتِ الہی کا سرچشمہ باری تعالیٰ کا رسول ہے اور یہی وہ سب سے زیادہ مستند اور قابلِ اعتماد ذریعہ ہے جس سے ہمیں صحیح علم اور رہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ سورۃ مريم میں مذکور ہے:

يَا بَنِي آدَمَ إِنِّي قَدْ جَاءَنِي مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَأْتِكَ فَاتَّبِعْنِي أَهْدِكُمْ صِرَاطًا سَوِيًّا - (مريم: ۶۴)

اے جان! اور حقیقت میرے پاس وہ حقیقی علم آیا ہے جو آپ کے پاس نہیں آیا۔ آپ میری پیروی کریں میں آپ

کو سیدھی راہ پر چلاؤں گا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ ارشاد اس حقیقت کی واضح ترجمانی کرتا ہے کہ ہدایتِ الہی کے حصول کا ذریعہ پیغمبر ہی کی ذات ہے۔ اسی کی وساطت سے تعلیماتِ الہی ہم تک پہنچتی ہیں اور پھر اس کی جانتِ طیبہ ان تعلیمات کا مظہر بنتی ہے اور اُس کی پیروی سے ہی نشانے الہی کو پورا کیا جاسکتا ہے۔ یہاں بڑے واضح الفاظ

میں یہ بتایا گیا ہے کہ محض "العلم" کا حاصل ہو جانا کافی نہیں بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ پیغمبر علیہ السلام کی پیروی کر کے اس علم ربانی کے مطابق زندگی بسر کی جائے۔ حقیقت کو جانے اور صراطِ مستقیم پر چلنے کی صرف یہی ایک صورت ہے رسول کو چونکہ باری تعالیٰ اپنے غشا کا ترجمان بنا تا ہے اس لیے اس کی اطاعت و حقیقت خداوند قدوس کی اطاعت ہی ہوتی ہے۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ - (المائدہ - ۸۰) جس نے رسول کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی۔  
قرآن مجید میں ایک جگہ نہیں بلکہ متعدد مقامات پر اس امر کی تصریح ہے کہ نبی کی پیروی ہی واحد ذریعہ نجات ہے۔ مثلاً سورہ نور میں یہ ارشاد ہے: **وَإِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ حَكَمَ اللَّهُ عَلَىٰكُمْ وَإِن تَكْفُرُوا لَأِنَّ اللَّهَ غَافِلٌ عَنِ الْكَافِرِينَ**۔  
ہدایت پا جاؤ گے پھر سورہ حشر میں مذکور ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا - وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ -  
رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رُک جاؤ اور اس بارے میں اللہ کی کچھ سے ڈرو۔  
اللہ کا عذاب سخت ہے۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جہاں ایک طرف رسول کی پیروی ذریعہ نجات ہے تو دوسری طرف رسول کی نافرمانی سے انسان منکالت و گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے۔

مَنْ يُعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ صُلْبًا  
اور جو کوئی بھی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرتا  
مُضِيًّا - (الاحزاب - ۳۶) ہے وہ بڑی کھلی گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔

اسی سلسلے میں قرآن مجید نے اس امر کی بھی صراحت کر دی ہے کہ اسلام میں اللہ کی محبت کا مطلب وہ نہیں جو کہ دنیا کی بعض مذہب پرست قوموں میں پایا جاتا ہے کہ انسان کسی مافوق الفطرت ہستی کی محبت میں گم ہو کر اپنی انسانی ذمہ داریوں کو یکسر فراموش کر دے۔ اسلام نے اللہ کی محبت کے طلبگار کو یہ بتایا ہے کہ وہ ذاتِ مطلق اگر اُسے فی الحقیقت محبوب ہے اور وہ اُس کی رضا جوئی کے لیے دل سے خواہشمند ہے تو اُس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ وہ اس بزرگ و برتر ذات کی صدق دل کے ساتھ اطاعت و پیروی کرے جو اُس کی طرف سے انسانوں کو خدا کی محبت کی راہ دکھانے اور پھر خود اس راہ پر چل کر اس کی عملی صورت سمجھانے

کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي  
يُحِبِّكُمْ اللَّهُ - (آل عمران - ۳۱)

کہیے اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو۔  
اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ باری تعالیٰ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کی خود پوری طرح نگرانی کر کے اس انداز پر اسے ڈھالا ہے کہ وہ ایمان باللہ، محبت اور خوفِ الہی، نیکی اور پرہیزگاری، شرافت اور امانت، حکومت اور سیاست، الغرض زندگی کے ہر معاملے میں ایک کامل و اکمل نمونے کے طور پر پیش کی گئی ہے۔

باری تعالیٰ نے حضور کے اسوہ حسنہ کو مسلمانوں کے لیے بطور مثال پیش کیا ہے اور اس امر کی تاکید کی ہے کہ زندگی کے جن معاملے میں انہیں رضائے الہی کے عملی تقاضوں کو دیکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہو اور یہ معلوم کرنا مقصود ہو کہ اللہ پر ایمان کس پاکیزہ زندگی کا طالب ہے تو انہیں حضور سرور کائنات کی مقدس زندگی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔

لَعَدُّكَ كَانَتْ لَكَ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ  
حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَدْرِي اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ

تحقیق تمہارے پاس اللہ کے رسول کی زندگی میں اسوہ حسنہ ہے، اس کی بے جوڑتا ہوا اللہ اور روزِ آخرت (الاعزاب - ۱۲۰) سے۔

حضور سرور کائنات کی زندگی صرف ایک پہلو ہی میں نمونہ نہیں بلکہ ہر لحاظ سے نمونہ ہے۔ انسان اور خدا کے ساتھ تعلقات میں، انسان اور انسان کے ساتھ تعلقات میں اور انسان اور کائنات کے ساتھ تعلقات میں حضور کی حیاتِ طیبہ ہی حق اور صداقت کا واحد معیار ہے۔ اس ایک معیار کے سوا باری تعالیٰ کو کوئی دوسرا معیار قبول نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مقدس زندگی کو ہمارے لیے اس بنا پر بھی اسوہ بنا لیا گیا ہے کہ اللہ کا نبی جو کچھ کہتا ہے یا جو کچھ کرتا ہے وہ سب کچھ خدا کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔ اُس کی زبان فیضِ ترجمانِ حقِ تعالیٰ کے ارشادات کی شارح ہوتی ہے اور اس کا عمل آیاتِ الہی کی، اسی کے حکم کے مطابق عملی تفسیر ہوتا ہے۔

مَا يَنْطَلِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ  
وہی نہیں بولتا اپنی خواہش سے مگر وہی کچھ جو کہ وحی بھیجی جاتی ہے اس پر۔



نہ کرنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سب سے زیادہ صحیح، مستند بات وہی ہے جو حضور کی طرف سے منقول ہوگی نہ کہ حضور  
وحی الہی کے ترجمان ہیں۔ اس لیے سب سے پہلے یہ دیکھو کہ اللہ کے رسول کسی معاملے میں کیا رائے رکھتے ہیں اور اس کے  
بعد اس کے مطابق عمل کرو۔ اپنی بات کو ان کے مقابلے میں بالاکرنے کی کوشش نہ کرو۔

امام ابن قیم نے ان آیات کی تشریح کرتے ہوئے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ اگر محض نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز  
سے اپنی آواز بالا کرنے سے اعمال ضائع ہو جاتے ہیں تو ان لوگوں کے اعمال کا ضیاع یقینی ہے جو اپنی نگرانی سے ہم و تدبیر  
اور اپنی آراء کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور اعمال پر فوقیت دیتے ہیں۔ فوقیت صرف یہی نہیں کہ آدمی  
زبان سے یہ کہے کہ اُس کی رائے حضور کی رائے سے بالاتر ہے بلکہ فوقیت یہ ہے کہ حضور کے اقوال و افعال کو نظر انداز  
کر کے کوئی طرز فکر اور طرز عمل اختیار کیا جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ سے بے نیازی کسی مومن کی تائید  
نہیں بلکہ کافرانہ جہارت ہے۔

ظاہر بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے بارے میں یہ تنبیہات صرف قرآن مجید کے معانی  
تک تو محدود نہیں کہ جب حضور سرور دو عالم قرآن مجید کے الفاظ زبان مبارک سے ادا کر رہے ہوں تو تم ان باتوں کا  
خاص خیال رکھو۔ یہ تنبیہات حضور کے ہر فعل اور ہر لفظ کے بارے میں ہیں۔ حضور کی کسی امر کے بارے میں صراحت سے  
پہلے اپنی طرف سے کسی مومن کو پیش قدمی نہ کرنی چاہیے۔ کیونکہ غنڈے خداوندی کو حضور کی وساطت کے بغیر نہیں جانا  
جاسکتا۔ اسی طرح صوت النبی میں حضور سرور دو عالم کے حلق سے نکلی ہوئی ہر آواز شامل ہے خواہ وہ قرآن کے الفاظ  
ہوں یا حضور سرور کائنات کے اپنے ارشادات کیونکہ حضور کی ہر بات اور ان کا ہر عمل خداوند تعالیٰ کے حکم مطابق  
ہی ہوتا ہے۔

آپ کہہ دیجیے کہ میں نبیوں کی پیروی کرتا ہوں جو کچھ  
میرے اوپر میرے پروردگار کی طرف سے وحی ہوا  
ہے اور یہ (خود بہت سی) دلیلیں ہیں تمہارے پروردگار  
کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو  
ایمان رکھتے ہیں۔

قُلْ إِنَّمَا اتَّبِعُ مَا يَدْعُوْنِي إِلَىٰ مَن رَّبِّيٰ هَلْذَٰلِكَ  
بَصَآئِرٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَهَدًى وَرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ  
يُّؤْمِنُونَ۔ (الاعراف: ۲۰۳)

لحہ اعلام اربعین، جلد اول، ص ۵۱

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضور کی پوری زندگی وحی الہی کے مطابق بسر ہوئی اور حضور نے اپنی حیات طیبہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا کیا وہ سب وحی الہی کے اشارے پر تھا۔ کیا کوئی صاحب عقل اس بات کو باور کر سکتا ہے کہ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ساری سرگرمیاں صرف قرآن مجید سنانے اور اس کے اندر بیج احکام کی پیروی کرنے میں بسر کیں۔ خود کلام الہی میں بعض ایسی تصریحات موجود ہیں جن سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بعض احکام صرف حضور سرورِ کائنات نے دیئے جن کا ذکر قرآن مجید میں موجود نہیں۔ میں یہاں صرف دو امور کا ذکر کرتا ہوں سورہ توبہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کی نماز جنازہ پڑھانے سے منع فرمایا گیا ہے۔

وَلَا تَصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا  
اور ان میں سے جو کوئی مر جائے اُس پر کبھی بھی نماز جنازہ نہ پڑھے۔ (توبہ - ۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت کے نزول سے پہلے نماز جنازہ شروع ہو چکی تھی اور مسلم معاشرے سے تعلق رکھنے والے جو لوگ فوت ہو جاتے تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی نماز جنازہ پڑھایا کرتے تھے، حالانکہ قرآن میں نازل ہونے والی کوئی آیت ایسی نہیں بتلائی جاسکتی جس میں حضور اور مسلمانوں کو نماز جنازہ پڑھنے کا حکم دیا گیا ہو۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نماز جنازہ حضور کے حکم سے شروع ہوئی۔

اسی طرح سورہ جمعہ کی آیت **وَإِنَّمَا أَوْفَرْنَا وَأَوْتَرْنَا** اور **الْقُصُورَ الْبَيْتَاتِ وَالْمَكَاظِمَ** میں ایک حکایت

اور شکایت کے ضمن میں جمعہ کا ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز جمعہ حضور کے حکم کے مطابق اس آیت کے نزول سے پہلے ہی شروع ہو چکی تھی اور مسلمان اسے حضور کے حکم ہی سے ادا کر رہے تھے۔ یہاں نماز جمعہ کے آغاز کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ ایک شرعی حکم اور دینی عمل جو حضور کے فرمان سے شروع ہو چکا ہے اُس کے بارے میں بعض افراد کے طرز عمل پر گرفت فرمائی۔ قرآن مجید سے اس قسم کی ایک نہیں بلکہ متعدد مثالیں ایسی پیش کی جاسکتی ہیں جن سے اس بات کا صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضور کے احکام اور آپ کے اعمال ہی سے شریعت کا نظام تشکیل پاتا تھا اور لوگ ان احکام و اعمال کو دین میں اسی طرح محبت مانتے تھے جس طرح کہ احکام ربانی کو، بلکہ احکام ربانی کو صحیح طور پر سمجھنے اور انہیں ٹھیک انداز سے بحال لانے کے لیے وہ حضور سرورِ دو عالم کی طرف رجوع کرتے تاکہ وہ انہیں ان احکام کی صحیح نوعیت اور صورت بتائیں۔ مثلاً قرآن مجید میں آقامتِ صلوة کا تاکید ہی حکم نازل ہوا اور

اس کے ارکان اور بعض اجزائے ترکیبی مثلاً قیام، رکوع، سجود، قرأت وغیرہ کا ذکر بھی کتابِ الہی میں موجود ہے مگر ان اجزاء کو کسی خاص ترتیب کے ساتھ ادا کرنے کا بیان اور نماز کی پوری ترکیب اس میں مذکور نہیں۔ صرف ائیمو الصلوٰۃ سے تو کوئی واضح چیز سامنے نہیں آتی۔ اگر اسے محض لغت کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی جائے تو معاملہ پیچیدہ ہو جاتا ہے۔ الصلوٰۃ کے اصل معنی آگ جلانے کے ہیں چنانچہ صلی بالناہ کے معنی میں اُس نے آگ کی تکلیف برداشت کی یادہ آگ میں جلا۔ پھر اس کے معنی دعا دینے کے بھی ہیں۔ عربی کا محاورہ ہے صَلَّيْتُ عَلَيْهِ، امام رازی نے اس کے معنی کیے ہیں ای دعوتُ لہ، یعنی میں نے اس کے لیے دعا کی۔ پھر قرآن میں فرشتوں کے متعلق مذکور ہے کہ وہ اللہ کے رسول پر صلوة پڑتے ہیں۔ صلوة کے ان مختلف لغوی معنوں کو اگر نگاہ میں رکھ کر اسلام کے اس سب سے اہم فرض کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو کوئی بات بھی واضح نہیں ہوتی۔ احادیثِ نبوی کو اگر درمیان سے نکال دیا جائے تو ایک شخص بجا طور پر دعویٰ کر سکتا ہے کہ اگر وہ آگ تاپ لے تو اس فرضیہ سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ دوسرا شخص محض زبان سے چند دعائیہ کلمات ادا کر کے اقامتِ صلوة کے فرض سے سبکدوش ہونے کا دعویدار ہو سکتا ہے۔ نماز کی جو صورت اس وقت موجود ہے اور جس پر تو اتر کے ساتھ ساڑھے تیرہ سو سال سے کر ڈروں مسلمان عمل پیرا ہیں وہ حضور کی وساطت ہی سے ہم تک پہنچی ہے حضور سرورِ دو عالم نے اقامتِ الصلوٰۃ کے فرض کی خود نماز قائم کر کے مراحت فرمائی اور حکم دیا: صَلُّوا کَمَا رَأَيْتُمُوْنِیْ اَسَلِّیْ یعنی تم جس طرح مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو، اسی طرح نماز پڑھو۔ اور امت نے حضور سرورِ دو عالم کے عمل ہی سے نماز کی صحیح ترتیب اور اس کے اجزاء کی ترکیب معلوم کی۔ اگر حضور اس معاملے میں ہماری رہنمائی نہ فرماتے تو ہمارے سامنے صلوة کی کوئی واضح اور متعین صورت سامنے نہ آتی اور ہر شخص اپنے ذوق کے مطابق لفظِ صلوة کی تشریح کر کے عمل کرنا چلا جاتا۔ چنانچہ جن لوگوں نے احادیثِ نبوی سے بے نیاز ہو کر صرف قرآن سے نماز کی ترتیب اور اس کا طریقہ جاننے کی کوشش کی ہے وہ آج تک نماز کی کوئی ایسی بیہیت سامنے نہیں لاسکے جس پر سب کا اتفاق ہو۔ یہی حال حجِ زکوٰۃ، صوم اور جہاد کا ہے۔ حج کے لغوی معنی کسی کے دیکھنے کا قصد کرنے کے ہیں۔ خود قرآن مجید میں حج کے بارے میں جو آیت نازل ہوئی ہے اُس میں صرف حج البیت کا ذکر ہے جس سے اگر زیادہ سے زیادہ سمجھا جاسکتا ہے تو یہی کہ بیت اللہ کے قصد کا حکم دیا جا رہا ہے۔ لیکن اس فرضیہ کی ادائیگی کے لیے خاص ایام میں عرفہ میں جانا، خاص مدت تک

قیام کرنا اور دوسرے مناسک، یہ سب باتیں ہمیں احادیث نبوی ہی سے ملتی ہیں حضور نے یہ ساری باتیں اپنی شخصی اور ذاتی حیثیت سے تو نہیں فرمائیں بلکہ ان سب کی وضاحت ان کے فرضیہ نبوت میں شامل تھی چنانچہ قرآن پاک نبی کے فرائض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے :

مَا نَزَّلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِيُبَيِّنَ لِلنَّاسِ  
مَا نَزَّلَ لَهُمْ وَاعْلَمُوا مَا كَفَرُوا  
اور نازل کیا ہم نے آپ کے ہاں ذکر کتاب تاکہ آپ کھوں  
کھول کر بیان کریں لوگوں کے واسطے اس چیز کو جو نازل کی  
گئی ان کی طرف اور تاکہ وہ غور و فکر کریں  
(النحل - ۴۴)

یہ آیت اس امر کی توضیح کرتی ہے کہ رسول کا کام معاذ اللہ محض ہر کارے کا نہیں کہ وہ صرف کتاب الہی کو لوگوں تک پہنچادے بلکہ اس عظیم کتاب کی تشریح بھی اُس کے فرضیہ نبوت میں داخل ہے اور رسول یہ کام باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق اسی کی رہنمائی میں سرانجام دیتا ہے۔ اس بتین کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں جن امور کو مجمل بیان کیا ہے رسول ان کی مراحت فرمائیں۔

(ب) اپنے عمل سے ان کی وضاحت کریں۔

(ج) جن امور میں اختلاف ہو ان کے بارے میں اپنا فیصلہ صادر فرما کر انہیں حتمی طور پر طے کر دیں۔

(د) صحیح اور غلط راستوں کی پوری طرح نشاندہی کر دیں تاکہ سلامتی کے رستے پر چلنے والے اپنے آپ کو گمراہی سے

بالکل محفوظ رکھ سکیں۔

قرآن مجید میں لفظ بتین کے یہ سارے مفہوم ملتے ہیں مثلاً مخفی اور مضمحل چیز کی وضاحت کے لیے قرآن مجید کی یہ

آیات بطور دلیل پیش کی جاسکتی ہیں :

وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ (ابراہیم ۴۵)

اور تم پر ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان لوگوں کے ساتھ کس  
طرح کا معاملہ کیا تھا۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْلَبُونَ  
وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَيُغْلَبُونَ

نیز اس لیے کہ بعض باتیں جن میں تم اختلاف کرتے ہو  
ان کی وضاحت کروں۔

(الزُّحُرُف - ۶۴)

فَتَبَيَّنَ

ہدایت صاف طور پر ظاہر اور اگر اسی سے الگ ہو جائیگی

قَدْ تَبَيَّنَ الشُّكُّ مِنَ الْغَيْبِ وَالْبِقَرَةِ (۲۵۶)



یہ چند آیات محض مثال کے طور پر درج کی گئی ہیں۔ قرآن مجید کی بے شمار آیات ”تبیہن“ کے ان مختلف پہلوؤں کی طرف نہایت واضح طور پر اشارہ کرتی ہیں۔

قرآن مجید کے مجمل احکام کی حضور نے وضاحت فرمائی اور ان کے ارشادات سے ہی ہمیں ان کے صحیح مفہوم کا علم ہوگا۔ مثلاً سورۃ الانعام میں خداوند تعالیٰ نے مختلف اثمار کے باغات کا ذکر کرتے ہوئے صرف اتنا ہی ارشاد فرمایا :-

وَأَنْتُمْ حَقُّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ وَلَا تُسْرِفُوا      اور فصل کاٹنے کے دن ان کا حق ادا کرو اور حد سے نہ  
إِنَّهُ لَا يَجِبُ الْمُسْرِفِينَ - (آیت ۱۱۴۲)      گزرو کہ اللہ حد سے گزرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

فصل کاٹنے کے دن ان کا حق ادا کرنے کے حکم سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا کہ باری تعالیٰ کا منشا کیا ہے اس ضمن میں اگر احکام رسول سامنے نہ ہوں تو ایک نہیں بلکہ کئی مطالب نکالے جاسکتے ہیں۔ مثلاً جن لوگوں نے ان پھلوں کی کاشت میں محنت مزدوری کی ہے، انہیں اجرت دو۔ یا ان میں سے زمین کے مالکان کو ان کا حصہ دو۔ یا انہیں خوب سنبھال کر رکھو اور انہیں ضائع نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس موقع پر سنت ہی سے ہمیں یہ رہنمائی حاصل ہوتی ہے کہ یہاں پیداوار زمین سے زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیا جا رہا ہے۔ پھر اس کی شرت بھی ہمیں احادیث نبوی ہی سے معلوم ہوتی ہے اور یہاں لفظ ”مُسْرِفِينَ“ کے محل استعمال کا بھی صحیح پتہ کتب احادیث سے چلتا ہے۔

اسی ”تبیہن“ کے تحت اللہ تعالیٰ نے حضور پر اس بات کی بھی ذمہ داری عائد فرمائی ہے کہ وہ عمومی احکام کی صحیح نوعیت متعین کر کے ان کی مستثنیات بیان کر دیں۔ مثلاً قرآن مجید میں چور کی منزا یہ ہے :

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا      اور چوری کرنے والا مرد اور چوری کرنے والی عورت دونوں  
جَزَاءً تَبَاكُسَبًا، نَكَالًا مِنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَزِيزٌ      کے ہاتھ کاٹ ڈالو۔ ان کے کرتوتوں کے عوض اللہ تعالیٰ  
حَكِيمٌ - (المائدہ - ۳۸)      کی طرف سے بطور عبرتناک منزا کے۔

السارق اور السارقة کے جرم کا فیصلہ کرتے ہیں کئی ایک دشواریاں پیش آتی ہیں۔ مثلاً اسلامی شریعت کی رُو سے چوری کی تعریف کیا ہے اور کیا ہر چور کے ہاتھ کاٹ دینے چاہئیں خواہ اس کے جرم کی نوعیت کتنی ہی معمولی

کیوں نہ ہو کیا جو شخص ذہنی طور پر مفلوج ہے اُس سے بھی اگر اس جرم کا ارتکاب ہو جائے تو وہ بھی قطع ید کی سزا کا مستوجب ہے؛ اس امر کا فیصلہ کرنے کے لیے کہ کیا ایک شخص فی الواقع چور ہے یا طریقہ اختیار کرنا چاہیے۔ یہ اور اسی قسم کے متعدد سوالات چوری کے سلسلے میں ذہن میں آتے ہیں جن کا قرآن مجید کوئی جواب نہیں دیتا۔ اس اجمال کی تفصیل ہمیں صرف سنت نبوی سے ملتی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں بتایا ہے کہ سزوقہ کا اطلاق خیانت پر نہیں ہوتا بلکہ صرف اس فعل پر ہوتا ہے کہ آدمی کسی کے مال کو اس کی حفاظت سے نکال کر اپنے قبضے میں کرے چنانچہ جو مال حفاظت میں نہیں اس کی چوری پر ہاتھ لگانے کی سزا بھی نہیں دی جاسکتی پھل، ترکاری، کھانے پینے کی چیزوں اور خفیہ اشیاء کی چوری بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ یہ سب تفصیلات ہمیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل ہوتی ہیں اور تبتین کے ذیل میں آتی ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کسی کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ حضور نے ان امور کا فیصلہ اپنی ذاتی رائے سے فرمایا ہے۔ لیکن یہ بالکل غلط ہے۔ باری تعالیٰ نے قرآن مجید میں اس باطل خیال کی واضح طور پر تردید کی ہے:

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ بِالْحَقِّ بَيِّنَاتٍ مِّنَ النَّاسِ بِمَا آرَأَيْتَ اللَّهُ - (النساء - ۱۶۵)

اے نبی! ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے تاکہ آپ لوگوں کے درمیان فیصلہ اسی کے مطابق

کریں جو اللہ نے آپ کو سجا دیا ہے۔

یعنی اس کتاب کے ساتھ پیغمبر علیہ السلام نے جو فیصلے فرمائے ہیں ان کی نوعیت عام اجتہاد کی نہیں بلکہ احکام خداوندی کی ہے۔ کیونکہ ان سب میں قادر مطلق نے حضور سرور کائنات کی براہ راست رہنمائی کی ہے۔ چنانچہ یہ سارے فیصلے بھی درحقیقت اسی ذات برحق ہی کے ہیں جس نے قرآن نازل فرمایا ہے۔ ان فیصلوں سے انحراف ایک ایسا باغیانہ طرز عمل ہے جس سے ایمان اکارت ہو جاتا ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحْكِمُوا  
فِيمَا سَجَدَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي الْأَنْفُسِ حَرَجًا  
مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا -

اے محمد! تمہارے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے،  
جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ تم کو فیصلہ کرنے  
والا نہ مان لیں۔ پھر جو کچھ تم فیصلہ کرو اس پر اپنے دلوں  
میں بھی کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ مرتسليم غم کر دیں۔

(النساء - ۶۵)

اس آیت سے ساف طور پر پتہ چلتا ہے کہ حضور کے فیصلوں کے سامنے تسلیمِ خم کر لینا ایمان کی بنیادی شرط ہے کیونکہ یہ محض کسی دانشور یا قاضی کے فیصلے نہیں جن سے اختلاف کیا جاسکتا ہو۔ یا ان کے خلاف اپیل کے دروازے کھلے ہوئے ہوں بلکہ ترجمانِ وحی کے فیصلے ہونے کی بنا پر یہ اسی طرح واجب الاطاعت ہیں جس طرح کہ خود باری تعالیٰ کے فیصلے۔ ان کے درمیان اگر فرق ہے تو یہی کہ کچھ فیصلے اُس نے خود اپنی زبان سے فرمائے ہیں اور بعض اپنی حکمت بالغہ کے تحت اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صادر کروائے ہیں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ  
وَرَسُولُهُ أَهْرًا أَنْ يَكُونَ لَهَا الْخَيْرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ -  
کسی مومن مرد یا عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور  
اُس کا رسول کسی بات کا فیصلہ صادر کر دیں تو انہیں  
کوئی اختیار باقی رہے۔ (الاحزاب - ۳۶)

یہاں اللہ اور رسول دونوں کے فیصلوں کو ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے اور اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ ایک مومن کا کام ان دونوں کے فیصلوں کو خوش دلی کے ساتھ قبول کرنا ہے۔ قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اندازِ بیان سے اُس غلط فہمی کا بھی ازالہ کر دیا ہے جو بعض ذہنوں میں پیدا ہو سکتی ہے کہ رسول کے فیصلوں سے مراد صرف اُن نزاعی امور کے فیصلے ہیں جو دو فریقِ حضور کے پاس تصفیہ کے لیے لاتے تھے۔ مندرجہ بالا آیت میں امر کو بطورِ زکرہ استعمال کر کے قرآن مجید نے اس بات کی صراحت کر دی ہے کہ حضور کو صرف جج کے چکانے کے لیے ہی حکم مقرر نہیں کیا گیا بلکہ زندگی کے ہر معاملے میں حضور سرورِ دو عالم کا ارشاد دین میں فیصلہ کن اہمیت رکھتا ہے اور اس سے پہلو تہی ایمان کو غارت کر دیتی ہے۔ حضور کے یہ فیصلے صرف ایک شعبہ زندگی یا متنازع فیہ معاملات تک ہی محدود نہیں بلکہ پوری زندگی پر حاوی ہیں اور ان سب کو دل و جان سے تسلیم کرنے ہی سے ایمان کا بنیادی تقاضا پورا ہوتا ہے۔ کتاب اللہ کی تعلیم و تفہیم، اُس کے مضمرات کی وضاحت اور پھر کلامِ الہی کے مطابق لوگوں کا تزکیہ نفس، تبتیہ ہی کے مختلف گوشے ہیں جس قدر مطلق تے انسانوں کی رہنمائی کے لیے قرآن نازل فرمایا اس نے اس بات کا بھی خاص طور پر اہتمام کیا کہ لوگ اس کی تلاوت کے صحیح انداز، اس کی گہری حکمتوں اور اس کی حیات آفرین تعلیمات کو بھی اسی سہول کی زبان سے سنیں اور سمجھیں جس کی وساطت سے نوع بشری کو اللہ تعالیٰ کا یہ بیش قیمت عطیہ ملا ہے۔ تقادیر مطلق اور محدود ذات کے کلام کو محدود فکر و نظر رکھنے والا انسان آخراں اپنی معمولی سی عقل کے ساتھ کیونکر اچھی طرح سمجھ سکتا ہے

اس لیے باری تعالیٰ نے نوح انسانی پر رحم کرتے ہوئے اس بات کا التزام کیا کہ انسانوں میں اپنی حکمت بالغہ کے مطابق بعض مقدس ہستیوں کا انتخاب کیا جائے اور انہیں نبوت سے سرفراز فرما کر کلام الہی کی تعلیم کی ذمہ داری سونپی جائے۔ اگر محض عقل انسانی خود اپنے برتے پر کلام ربانی کو سمجھنے پر قادر ہوتی تو پھر رسول کی ضرورت قطعاً پیش نہ آتی۔ کیا اس بزرگ و برتر ذات کے لیے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ اپنے کلام کے کوڑوں نسخے فرشتوں کی مدد سے نوح انسانی میں تقسیم کر دیتی یا پھر قصاً کو اس بات پر مامور کر دیتی کہ وہ ہر وقت اس کے پیغام کو نشر کرتی رہے۔ اپنے پیغام پہنچانے کے لیے بعض انسانوں کا انتخاب صرف اسی وجہ سے کیا گیا ہے کہ انسان کے ذریعہ ہی انسان اللہ تعالیٰ کے احکام کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں۔ جن مقدس ہستیوں پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی وہ پوری انسانیت میں اگرچہ فہم و احساس کے اعتبار سے بھی افضل ہیں مگر ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی براہ راست نگرانی فرماتا ہے اور رسالت کے کام میں ہر قدم پر ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ چنانچہ جس قدر مطلق نے انہیں اپنا کلام انسانوں تک پہنچانے کے لیے دیا ہے اسی ذات برحق نے انہیں اس کلام کا صحیح فہم بھی عطا فرمایا ہے اور اس کے مختلف گوشوں کو اس کے سامنے لے نقاب کیا ہے۔ ایک نبی اور غیر نبی کے شعور و ادراک میں یہی بنیادی فرق ہے۔ پیغمبر جو کچھ حاصل کرتا ہے خدا سے حاصل کرتا ہے یا اس کے مشاہدات اور تجربات کی باری تعالیٰ کے دربار سے واضح طور پر تائید یا تصحیح ہو جاتی ہے اور پھر پیغمبر کو اس بات کا علم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے کام کو پسند فرمایا ہے۔ پیغمبر کے علاوہ دوسرے جتنے انسان ہیں انہیں اپنے طرز عمل کے بارے میں کوئی ایسا یقینی علم حاصل نہیں ہوتا جس کی بنیاد پر وہ پورے وثوق سے یہ کہہ سکیں کہ اُسے اللہ کے ہاں بھی پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاءِ حلیمہ اسلام کے طرز عمل کی کسی طرح خود نگرانی فرماتے ہیں اور کس طرح ہر قدم پر انہیں زندگی کے ہر معاملے میں ہدایت دیتے ہیں اس کی متعدد شاہدیاں قرآن مجید میں ملتی ہیں۔ ہم یہاں صرف دو شاہدیاں پیش کرتے ہیں۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک نابینا صحابی آئے اور آپ نے مصالح کے تحت سردارانِ قریش سے اپنے آپ کو مصروف رکھا اور ان کی طرف توجہ نہ دی تو باری تعالیٰ نے فوراً حضور کے طرز عمل پر گرفت کی اور انہیں بتایا کہ ان کا رویہ خدا کو کھٹکا ہے۔

تیسری چڑھائی اور منہ موڑا اس پر کہ آیا اس کے پاس

عَبَسَ وَتَوَلَّىٰ اَنْ جَاءَهُ الْاَعْمٰی وَمَا

نابینا اور تجھ کو کیا خبر کہ شاید وہ سفورتا اور پاک ہوتا۔

بَدْرَبِكَ لَعَلَّكَ بَيِّنٌ - (میس)

اسی سلسلے میں مسجد مزار کا واقعہ بھی پیش کیا جاسکتا ہے۔ حضور اس مسجد میں نماز ادا کرنے کے لیے تیار ہو گئے تھے کہ مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کام سے منع کر دیا گیا۔

لَا تَقْسَمُ بِهِ آيِدًا الْمَسْجِدِ اُسِّسَ عَلٰى  
التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اِحَقَّ اَنْ تَقْرُمَ فِيْهِ  
تم ہرگز اس عمارت میں کھڑے نہ ہونا جو مسجد اول روز  
سے تقویٰ پر قائم کی گئی ہے وہی اس کے لیے زیادہ موزوں  
ہے کہ تم اس میں عبادت کے لیے کھڑے ہو۔

اسی نوعیت کے کئی ایک واقعات قرآن مجید میں موجود ہیں جو اس حقیقت پر شاہد ہیں کہ نبی جو کام بھی کرتا ہے خدا کی ہدایت اور اس کی واضح نگرانی میں کرتا ہے۔ کیا کسی غیر نبی کے ملزوم عمل کی بھی اس بیخ پر نگرانی ہوتی ہے؟ اگر باری تعالیٰ ان چھوٹے چھوٹے امور میں اپنے پیغمبر کو ہدایت کرتا ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ رسالت کی نازک ذمہ داریوں سے عہدہ برا ہونے کا کام اللہ تعالیٰ نے پیغمبر کے محسن و تدبیر پر چھوڑ دیا ہو اور اسے اس کام کا اختیار دیا ہو کہ وہ تجربے اور مشاہدے کی روشنی میں حالات کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی عقل سے فیصلے کرتا رہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کو عقل و فہم سے معاذ اللہ محروم رکھا جاتا ہے بلکہ میری اس گزارش کا مطلب صرف یہ ہے کہ نبی کی عقل کی باری تعالیٰ خود حفاظت کرتا ہے اور اس بات کا اہتمام کرتا ہے کہ وہ جو فیصلے بھی کرے وہ خدا کی مشائخ کے عین مطابق ہوں اور نبی کو اس بات کا واضح طور پر شعور ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اُس کے فیصلوں پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت اور فرمانبرداری کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کہا گیا ہے اور نبی کے ہاتھ پر بیعت کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اگر اس بنیادی حقیقت کو سامنے رکھا جائے تو یہ بات خود بخود دکھ کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو فرائض بھی اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیے ہیں اور آپ نے انہیں جس طرح سے سرانجام دیا ہے ان سب میں خدا کی رضا اور اس کی ننگداشت اور اس کی رہنمائی اول سے آخر تک اس انداز میں شامل رہی ہے کہ حضور کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے سارے اقوال اور حضور کی حیاتِ بلیغہ کے سارے اعمال و حقیقت کلام الہی کی الہامی تفسیریں ہیں۔ اس بنا پر کسی فرد یا گروہ یا ادارے کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ ان کے

لَا اِنَّ الَّذِيْنَ يُّبَايِعُوْنَكَ اِنَّمَا يُّبَايِعُوْنَ اللّٰهَ - (الفتح - ۱۰)

اندر کوئی تغیر و تبدل کرے۔ حضور نے اپنے فرض کی ادائیگی میں جو کچھ کیا وہ سب خدا کی طرف سے کیا اور اس بنا پر حضور کے احکام کی پابندی ایک مسلمان کے لیے اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ احکام الہی کی پابندی۔ ہم تک تو کلام الہی اُسی تعالیٰ ذات کے ذریعے سے پہنچا ہے اور اُسی سے بارے میں ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اس کی تشریح و توضیح کے لیے جو ارشاد فرمائے وہی خدا کی نظر میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح ہے کیونکہ اس کی وضاحت کا کام بھی خداوند قدوس نے اس مقدس ہستی کے سپرد کیا ہے۔ اور یہ باری تعالیٰ کا انسانیت پر عظیم احسان ہے کہ اپنے کلام کی تشریح بھی اُس نے خود ہی اپنے نبی کے ذریعے فرمادی۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ لَعَنَتْ  
فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَلْفِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ  
وَيُبَيِّنُ لَهُمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ  
وَإِنَّ كَانُوا مِن قَبْلُ لَنَفَىٰ فَصِيلٍ مُّبِينٍ۔  
یقیناً احسان کیا اللہ تعالیٰ نے مومنوں پر جبکہ صحابان  
میں ایک رسول انہی میں سے کہ تلاوت کرتا ہے اُن  
پر اُس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور تعلیم دیتا  
ہے اُن کو کتاب و حکمت کی اور وہ اس سے پہلے واضح  
طور پر گمراہی میں مبتلا تھے۔  
رآل عمران - ۱۷۴

اس آیت سے بڑے واضح الفاظ میں اُن مقاصد کی نشاندہی ہوتی ہے جن کے لیے حضور سرور کائنات کو مبعوث فرمایا گیا۔ پہلی چیز یعنی تلاوت آیات کا مطلب تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صورت میں جو کتاب اُن پر نازل فرمائی اس کی تلاوت کرنا۔ یہاں قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام محض کتاب الہی کے مربوط و مرتب کلمات کو پڑھ کر سنانا ہی ہے تو پھر تعلیم کتاب کا ذکر کرنے کی آخر کیا ضرورت تھی۔ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی اس حقیقت کو باسانی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں تعلیم کتاب کا مطلب آیات کی تشریح اس کے معانی و مطالب کی وضاحت اور کتاب اللہ کے احکام کی صراحت ہے اور یہ سب کام فرائض رسالت میں اُسی طرح داخل ہیں جس طرح کہ قرآن مجید کے کلمات کی تلاوت و تبلیغ۔ اب اگر قرآن قرآن دین میں محبت ہے تو وہ وضاحت اور صراحت بھی دین میں محبت ماننا پڑتی ہے جو تعلیم کتاب کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے رسول نے ارشاد فرمائی ہے کیونکہ حضور کو یہ فرض بھی تلاوت آیات کی طرح بطور رسول سونپا گیا ہے۔ یہ کام حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذاتی یا شخصی حیثیت سے نہیں کیا بلکہ

باری تعالیٰ کے حکم کے مطابق رسالت کے فرائض سرانجام دیتے ہوئے کیا ہے۔ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ حضور نے قرآن کے جن الفاظ کو تلاوت فرمایا ہے وہ تو دین میں تجت ہوں مگر انہوں نے الفاظ کے جو معانی بیان فرمائے ہیں یا جو مطالب متعین کیے ہیں یا احکام الہی کی جن حکمتوں کا ذکر کیا ہے ان کی حیثیت محض تاریخی ریکارڈ کی ہو۔ قرآن مجید اس بات کی پُر زور تردید کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جس طرح تلاوت کے معاملے میں اتباع لازمی ہے بالکل اسی طرح تعلیم کتاب کے سلسلے میں بھی ان کے ارشادات کی اطاعت اور فرمانبرداری بھی انتہائی منزوری ہے۔

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا - (حشر - ۱) اس سے رک جاؤ۔ جو تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے منع کریں

قرآن مجید میں بابجا اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت کو مستقل جملوں کی صورت میں ساتھ ساتھ رکھا گیا ہے اس سے اس بات کا صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کی طرح اہل ایمان پر رسول کی اطاعت بھی مستقلاً فرض ہے کیونکہ ان کے ذریعہ ہمیں دین کے معاملے میں جو کچھ ملا ہے وہی خدا کے نزدیک صحیح اور مستند ہے۔

إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ - (النور - ۵۱) مومنوں کا قول تو یہ ہوتا ہے کہ جب اللہ اور اس کے رسول کی طرف انہیں بلایا جائے تاکہ رسول ان کے درمیان حکم کرے تو کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ پس یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔

اس آیت میں بھی دو مستقل مابعداریوں کا ذکر آیا ہے اور پھر لطف کی بات یہ ہے کہ حکم کا صیغہ واحد ہے جس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے احکام کی پابندی ہم پر فرض ہے مگر دنیا میں ان احکام کی توضیح اور ان کی تعبیر کے لیے ہمیں حضور سرور کائنات کی طرف ہی رجوع کرنا ہوگا اور وہاں سے جو فیصلہ صادر ہوگا وہی ان احکام کا صحیح منشا قرار دیا جائے گا۔ پھر یہاں فعل مضارع استعمال کیا گیا ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مستقل مطاع ہونے پر صاف طور پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن مجید کی ایک دوسری آیت حضور سرور دو عالم کی اس حیثیت کی پوری طرح تائید کرتی ہے۔

أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ  
 مِنْكُمْ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى  
 اللَّهِ وَالرَّسُولِ -

فرماں برداری کرو اللہ کی اور فرماں برداری کرو رسول کی  
 اور ان کی جو تم پر حکم کے مالک ہیں۔ پھر اگر تم میں کسی معاملے  
 میں نزاع پیدا ہو جائے تو اسے خدا اور رسول کے سامنے  
 پیش کر دو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تین اطاعتیں واجب فرمائی ہیں اور ان کے درمیان جو بنیادی فرق ہے اُسے بھی  
 بیان کر دیا ہے۔ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت تو مستقل طور پر واجب ہے اور اولوالامر کی اطاعت کو ان  
 دو اطاعتوں کے تابع رکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے اولوالامر کی اطاعت کے ساتھ فعل حذف کیا گیا ہے۔ اس سے  
 یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ رسول کی اطاعت ان کی زندگی تک ہی محدود نہیں بلکہ قیامت تک یہ ہم پر  
 اسی طرح فرض ہے جس طرح کہ خدا کی اطاعت۔ اولوالامر کی اطاعت ان دونوں اطاعتوں سے بنیادی طور پر  
 مختلف ہے یہ مستقل نہیں بلکہ عارضی ہے اور یہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے تابع ہے۔ ہمارے اسلاف  
 اس فرق سے کتنی اچھی طرح واقف تھے اس کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ حضور کے صحابہ رضی اللہ  
 تعالیٰ عنہم نے کبھی بھی آپ کے کسی حکم کے بارے میں قرآن سے دلیل پیش کرنے کا مطالبہ نہیں کیا مگر آنحضرت صلی  
 اللہ علیہ وسلم کے سوا وہ اپنے حکمرانوں اور ائمہ سے ہر کام میں قرآن و احادیث سے وائیل پیش کرنے کا مطالبہ  
 کرتے رہے۔